اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بہت رحم والا ہے

براھین و معجزات کا انسائیکلوپیڈیا

محمد ﷺ کی نبوت اور قرآنِ کریم کی سچائی کے دلائل

سائنسی معجزات · تاریخی و آثاری شواہد · پوری ہونے والی پیشین گوئیاں

تورات و انجیل کی بشارتیں · جِن، جادو اور غیب کی دنیا

اِتنی آسانی سے سمجھایا گیا کہ بچہ بھی سمجھ لے · 157 رنگین خاکے

157 دلائل، قوّت کی ترتیب سے

دوسرا باب

نبی ﷺ کی وہ پیشین گوئیاں جو پوری ہوئیں

وہ خبریں جو آپ ﷺ نے ایک دور کے مستقبل کے بارے میں دیں، آپ کے صحابہ نے اپنی کتابوں میں لکھ لیں، پھر وہ دنیا کی آنکھوں کے سامنے بعینہ ویسے ہی پیش آئیں جیسے آپ نے فرمایا تھا؛ حرف بہ حرف۔

19 دلائل

82 قسطنطنیہ ضرور فتح ہوگا

> قسطنطنیہ ضرور فتح ہوگا، تو کیا ہی اچھا امیر ہوگا اس کا امیر، اور کیا ہی اچھا لشکر ہوگا وہ لشکر
>
> احمد اور بخاری نے تاریخ میں روایت کیا — ایک جماعت نے صحیح قرار دیا

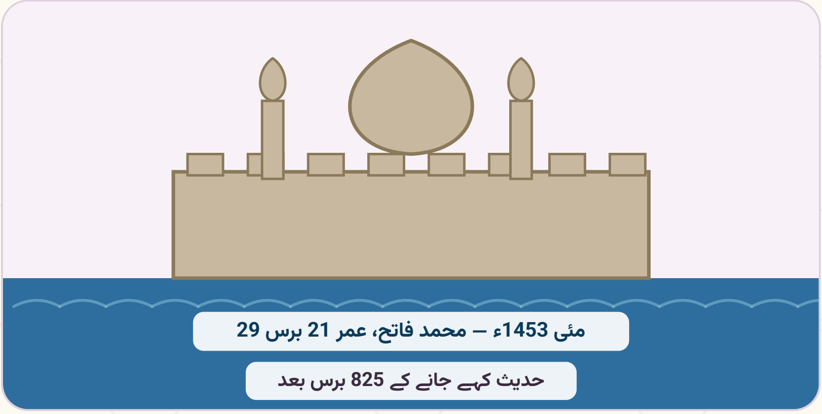

قسطنطنیہ: قدیم دنیا کا سب سے ناقابلِ تسخیر قلعہ بند شہر

آسان لفظوں میں

نبی ﷺ نے فرمایا کہ **قسطنطنیہ فتح ہوگا**، اور اس امیر اور اس کے لشکر کی تعریف کی جو اسے فتح کرے گا۔ اور آٹھ صدیوں سے زیادہ بعد سلطان محمد فاتح نے اسے فتح کر لیا۔

اُس وقت لوگ کیا سمجھتے تھے؟

قسطنطنیہ **زمین کی سب سے طاقتور نصرانی سلطنت کا دارالحکومت** تھا، اور بلا استثنا سب سے زیادہ قلعہ بند شہر: تین تہوں والی عظیم فصیلیں، ایک خلیج جو لوہے کی زنجیر سے بند کر دی جاتی تھی، اور تین طرف سے گھیرتا ہوا سمندر۔ وہ صدیوں کے دوران بیس سے زیادہ محاصروں کے سامنے ڈٹا رہا۔ اور کہنے والا اس دن مدینہ منورہ میں تھا، اور اس کی ریاست کے پاس بحری بیڑہ سرے سے تھا ہی نہیں۔

آج سائنس کیا کہتی ہے؟

29 مئی 1453ء کو سلطان محمد ثانی نے اسے فتح کیا، اس وقت ان کی عمر اکیس برس تھی، اور اسی لیے «فاتح» کا لقب پایا۔ انہوں نے ایسی دیو ہیکل توپ استعمال کی جس کی مثال نہ دیکھی گئی تھی، اور زنجیر سے بچنے کے لیے **اپنے جہاز خشکی پر سے گزارے**، چربی لگے تختوں پر۔ یہ واقعہ عالمی تاریخ کے مشہور ترین واقعات میں سے ہے، اور اسی سے قرونِ وسطیٰ کے خاتمے کی تاریخ لی جاتی ہے۔

یہ قطعی معجزہ کیوں ہے؟

حدیث صرف فتح کی خبر دینے پر نہیں رکی، بلکہ **فاتح اور اس کے لشکر کی پیشگی تعریف کی** — اور اس سے خطرہ بڑھ جاتا ہے، کیونکہ یہ متن کی سچائی کو ایسے آدمی کی صفت سے باندھ دیتی ہے جو ابھی پیدا ہی نہیں ہوا تھا۔ اور مسلمان سپہ سالار آٹھ صدیوں تک اس شرف پر ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے رہے: معاویہ اور سلیمان بن عبدالملک نے اس کا محاصرہ کیا، اور ہارون الرشید کا لشکر 165 ھ میں اس کی خلیج تک پہنچا مگر پار نہ اترا، اور کوئی اسے فتح نہ کر سکا — **اور ہر ناکام کوشش حدیث کو جھٹلانے کا موقع تھی، سچا ثابت کرنے کا نہیں**۔ پھر فتح اکیس برس کے ایک نوجوان کے ہاتھوں ہوئی، ایسی تدبیر سے جس کا تصور بھی نہ تھا۔

ماخذ The fall of Constantinople, 29 May 1453 · Runciman — *The Fall of Constantinople 1453*

کسریٰ ہلاک ہوا تو اس کے بعد کوئی کسریٰ نہیں

جب کسریٰ ہلاک ہو جائے گا تو اس کے بعد کوئی کسریٰ نہ ہوگا، اور جب قیصر ہلاک ہو جائے گا تو اس کے بعد کوئی قیصر نہ ہوگا، اور اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، ان دونوں کے خزانے ضرور اللہ کی راہ میں خرچ کیے جائیں گے

بخاری اور مسلم نے روایت کیا — متفق علیہ

کہا گیا جب وہ قوت کے عروج پر تھے		اور جیسا کہا ویسا ہوا
فارس اور روم حکمران ہیں	→	یزدگرد، آخری کسریٰ
معلوم دنیا کے نصف پر		فارس مٹ گئی، پھر نہ لوٹی
اور مسلمان مدینہ میں		اور روم نے شام و مصر کھو دیے
نوزائیدہ ریاست — بے مال		اور ان کے خزانے بیت المال میں

کہنے اور واقع ہونے کے بیچ: تیس سال سے کم

دو سلطنتیں جنہوں نے صدیوں حکومت کی... ایک ختم ہو گئی اور دوسری سکڑ گئی

آسان لفظوں میں

نبی ﷺ نے فرمایا کہ **فارس کا بادشاہ مر جائے تو اس کے بعد اس جیسا بادشاہ نہ آئے گا**، اور اسی طرح روم کا بادشاہ، اور یہ کہ ان دونوں کے خزانے اللہ کی راہ میں خرچ ہوں گے۔ اور یہ سب واقع ہوا۔

اُس وقت لوگ کیا سمجھتے تھے؟

فارس اور روم بلا نزاع **دنیا کی دو عظیم ترین طاقتیں** تھیں، مشرق و مغرب آپس میں بانٹے ہوئے، اور ان کے لشکر اور خزانے بے شمار تھے۔ اور مسلمان اس دن مدینہ میں ایک چھوٹی سی جماعت تھے، نہ ان کی کوئی ریاست، نہ لشکر، نہ خزانے، انھی دو عظیم سلطنتوں کے درمیان گھرے ہوئے۔ اور اسی حال میں یہ بات کہی گئی۔

آج سائنس کیا کہتی ہے؟

ساسانی سلطنت 651ء میں **یزدگرد سوم** کے قتل کے ساتھ ہمیشہ کے لیے گر گئی، اور اس کے بعد فارس میں کبھی کوئی بادشاہ اس لقب کے ساتھ کھڑا نہ ہوا۔ رہے روم، تو ان کی ریاست فوراً ختم نہ ہوئی، لیکن اس نے **شام، مصر اور شمالی افریقہ کھو دیے** اور سکڑ گئی، اور قیصر کا ان ملکوں پر پھر کوئی اقتدار نہ رہا۔ اور کسریٰ کے خزانے عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں مدینہ لائے گئے اور تقسیم کیے گئے، یہاں تک کہ انہوں نے فرمایا: «جن لوگوں نے یہ ادا کیا وہ واقعی امانت دار ہیں»۔

یہ قطعی معجزہ کیوں ہے؟

دونوں جملوں کے باریک فرق پر توجہ کیجیے۔ کسریٰ کے بارے میں کہا گیا: «اس کے بعد کوئی کسریٰ نہیں» — **اور فارس بالکل ختم ہو گیا**۔ اور قیصر کے بارے میں اسی جیسی بات کہی گئی — **اور روم ختم نہ ہوا بلکہ سکڑ گیا**، اسلام کی سرزمینوں سے۔ اور یہ حدیث کے سیاق سے ہم آہنگ ہے: بات تو اسی کی ہے جو اس زمین پر حکومت کرتا اور اس میں جھگڑتا ہے۔ اور اس سے بھی دقیق بات یہ ہے کہ حدیث نے محور **خزانوں کو بنایا، زمین کو نہیں**: «ان دونوں کے خزانے ضرور اللہ کی راہ میں خرچ کیے جائیں گے» — اور یہی وہ جملہ ہے جس پر قسم کھائی گئی۔ زمین کے دو امیر ترین بادشاہوں کے مال کا وعدہ، ایسے آدمی کی طرف سے جسے اپنا شام کا کھانا میسر نہیں۔

مآخذ الطبري — «تاريخ الرُّسُل والمُلوك» · Yazdegerd III — the last Sasanian king, d. 651

عمار کو باغی گروہ قتل کرے گا

عمار پر افسوس، اسے باغی گروہ قتل کرے گا، وہ انہیں جنت کی طرف بلاتا ھے اور وہ اسے آگ کی طرف بلاتے ھیں

بخاری اور مسلم نے روایت کیا — متفق علیہ

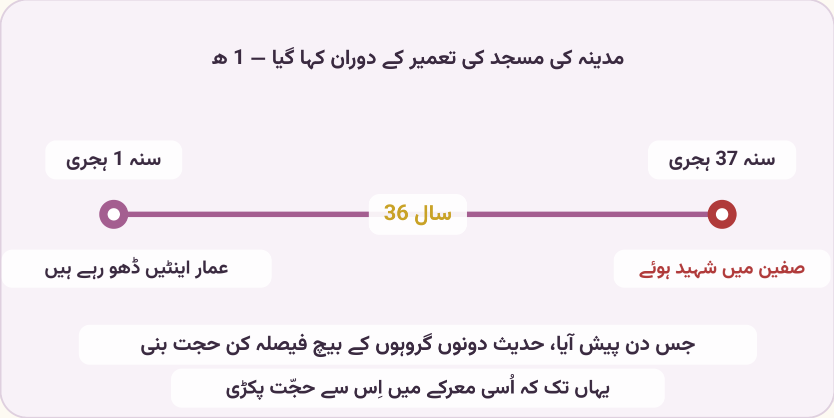

ہجرت کے پہلے سال کہی گئی ایک پیش گوئی، جو چھتیس سال بعد پوری ہوئی

آسان لفظوں میں

جس وقت وہ مسجد بنا رہے تھے، نبی ﷺ نے عمار بن یاسر کے بارے میں فرمایا کہ **انہیں ایک ظالم گروہ قتل کرے گا**۔ اور چھتیس سال بعد عمار جنگِ صفین میں شہید ہوئے — تو لوگوں نے جان لیا کہ باغی کون ہے۔

اُس وقت لوگ کیا سمجھتے تھے؟

یہ بات اس وقت کہی گئی جب مسلمان **مدینہ میں اپنے ابتدائی عہد کی ایک ہی باہم محبت کرنے والی جماعت** تھے، نہ ان میں کوئی فتنہ تھا نہ کوئی تقسیم، اور ہر ایک اپنے ہاتھ سے مسجد بنا رہا تھا۔ اور یہ خیال کہ مسلمان آپس میں لڑیں گے، اور ایک جلیل القدر صحابی مسلمانوں کے ہاتھوں شہید ہوں گے، کسی کے دل میں آنے والی سب سے دور کی بات تھی۔

آج سائنس کیا کہتی ہے؟

عمار بن یاسر 37 ھ میں جنگِ صفین میں شہید ہوئے، اس وقت ان کی عمر نوے برس کے قریب تھی، اور وہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی صف میں تھے۔ اور **شام کا لشکر سخت اضطراب میں پڑ گیا جب معلوم ہوا کہ وہ شہید ہو گئے**، کیونکہ حدیث ان کے درمیان معروف اور زبان زد تھی۔ اور حدیث صحیحین میں مخرج ہے، اور صحابہ کی ایک جماعت سے اتنے راستوں سے مروی ہے کہ تواتر تک پہنچ گئی۔

یہ قطعی معجزہ کیوں ہے؟

اس پیش گوئی میں سب سے زور دار بات یہ ہے کہ **دونوں متنازع فریق اسے جانتے تھے اور اس سے استدلال کرتے تھے** — چنانچہ یہ کوئی ایسی خبر نہیں جو واقعے کے بعد لکھی گئی ہو، بلکہ وہ اس سے عشروں پہلے زبان زد تھی، یہاں تک کہ اس کے وقوع نے ایک لشکر میں حقیقی بحران پیدا کر دیا۔ اور اگر حدیث صفین کے بعد گھڑی گئی ہوتی تو جس فریق کو یہ مجرم ٹھہراتی ہے وہ اسے کبھی قبول نہ کرتا۔ اور نبی ﷺ نے **ایک متعین شخص** کا نام لیا، اور **اس کی موت کا طریقہ** (قتل، نہ کہ بیماری)، اور **اس کے قاتلوں کا وصف** (باغی گروہ، یعنی ظالم مسلمان، نہ کہ کافر)۔ تین قیدیں ایک ساتھ واقع ہوئیں۔

85 میرا یہ بیٹا سردار ہے... اللہ اس کے ذریعے دو گروہوں میں صلح کرائے گا

بے شک میرا یہ بیٹا سردار ہے، اور امید ہے کہ اللہ اس کے ذریعے مسلمانوں کے دو عظیم گروہوں میں صلح کرا دے

بخاری نے روایت کیا — صحیح

کہا گیا جب حسن ننھے بچے تھے	سنہ 41 ہجری — سالِ اتحاد
نہ دو گروہ، نہ لڑائی	امت دو لشکروں میں بٹ گئی
اور پوری امت ایک تھی	حسن صلح کے لیے دستبردار ہوئے
اور بچہ ابھی بالغ نہ تھا	پس مسلمان متحد ہو گئے
اور کوئی عہدہ نہیں	اور نام پڑا: عام الجماعة

قدرت رکھتے ہوئے خلافت چھوڑ دی — اور خون بہنے سے بچایا

ابتدائی اسلامی تاریخ کی سب سے بڑی صلح، اور اس کے کرنے والے کا نام بلوغت سے پہلے ہی لے لیا گیا

آسان لفظوں میں

نبی ﷺ نے اپنے نواسے حسن کو اٹھایا، وہ ابھی چھوٹے بچے تھے، اور فرمایا: **اللہ اس کے ذریعے مسلمانوں کے دو عظیم گروہوں میں صلح کرائے گا**۔ اور تقریباً چالیس سال بعد انہوں نے بالکل وہی کیا۔

اُس وقت لوگ کیا سمجھتے تھے؟

امت میں سرے سے دو گروہ تھے ہی نہیں — وہ اپنے نبی کے پیچھے ایک ہی جماعت تھی۔ اور جس بچے کے بارے میں یہ بات کہی گئی وہ ابھی بالغ بھی نہ ہوا تھا، اور معلوم نہ تھا کہ وہ کیا بنے گا۔ اور حدیث ایک ساتھ تین نامعلوم چیزوں کی خبر دیتی ہے: یہ کہ امت **تقسیم ہوگی**، یہ کہ تقسیم **صلح پر ختم ہوگی**، اور یہ کہ یہی متعین بچہ وہ ہے جو اسے طے کرائے گا۔

آج سائنس کیا کہتی ہے؟

40 ھ میں، علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد، حسن سے خلافت کی بیعت کی گئی، اور وہ ایک بڑے لشکر کے سربراہ تھے۔ پھر انہوں نے **41 ھ میں مسلمانوں کا خون بچانے کے لیے یہ منصب معاویہ کے حوالے کر دیا**، اور برسوں کی باہمی جنگ کے بعد امت ایک آدمی پر جمع ہو گئی۔ اور اس سال کا نام پوری اسلامی تاریخ میں یہ رکھا گیا: **«عام الجماعة»**، یعنی اتحاد کا سال۔ اور حدیث صحیح بخاری میں ہے۔

یہ قطعی معجزہ کیوں ہے؟

ذرا غور کیجیے کہ یہ ایک جملہ کیا کچھ چاہتا ہے: ایسی امت میں **ایک آنے والے فتنے** کا اثبات جو ابھی بٹی ہی نہیں، اور **اس آدمی کی تعیین جو اسے ختم کرے گا** جبکہ وہ ابھی بولنے والا بچہ بھی نہیں، اور **طریقے** کی تعیین — صلح، نہ کہ جنگ میں فتح۔ اور آخری بات سب سے عجیب ہے: جس کے پاس لشکر بھی ہو اور جواز بھی، اس کے لیے فطری راستہ لڑنا ہے۔ نبی ﷺ کے نواسے کے بارے میں یہ کہا جانا کہ وہ قدرت رکھتے ہوئے دستبردار ہو جائیں گے — **اور انہی کے بعض پیروکاروں نے یہی بات ان پر عیب کے طور پر رکھی** — پھر اسے «سیادت» اور «اصلاح» کا نام دیا جانا، ایسا حکم ہے جو ہر سیاسی توقع کے خلاف ہے۔ اور یہ حرف بہ حرف واقع ہوا۔

خلافت تیس سال... پھر بادشاہت

> میری امت میں خلافت تیس سال ہے، پھر اس کے بعد بادشاہت ہوگی
>
> **ابو داؤد اور ترمذی نے روایت کیا — البانی نے صحیح قرار دیا**

ٹھیک تیس سال میں پانچ خلفا... پھر نظامِ حکومت بدل گیا

آسان لفظوں میں

نبی ﷺ نے فرمایا کہ منہاجِ نبوت پر خلافت صرف **تیس سال** رہے گی، پھر حکومت ایسی بادشاہت میں بدل جائے گی جو وراثت میں ملے۔ اور حساب بالکل ٹھیک نکلا۔

اُس وقت لوگ کیا سمجھتے تھے؟

زمین بھر میں نظامِ حکومت وراثتی بادشاہت ہی تھا: فارس، روم، حبشہ اور یمن۔ اور افق پر کوئی دوسرا نظام نہ تھا۔ اور جو نظام ابھی شروع بھی نہ ہوا ہو، اس کی **عمر برسوں میں** مقرر کر دینا، پھر یہ کہنا کہ وہ کسی اور چیز کی طرف پلٹ جائے گا، ایک خطرناک تعیین ہے جو گنتی اور حساب کو قبول کرتی ہے۔

آج سائنس کیا کہتی ہے؟

خلافت نبی ﷺ کی وفات سے 11 ھ میں شروع ہوئی: ابو بکر دو سال تین ماہ، پھر عمر ساڑھے دس سال، پھر عثمان تقریباً بارہ سال، پھر علی تقریباً پانچ سال، پھر حسن تقریباً چھ ماہ، یہاں تک کہ انہوں نے 41 ھ میں دستبرداری اختیار کی۔ **مجموعہ: ٹھیک تیس سال**۔ پھر حکومت بنو امیہ اور پھر بنو عباس میں وراثت میں چلنے والی بادشاہت بن گئی۔

یہ قطعی معجزہ کیوں ہے؟

یہ ایک ایسا عدد ہے جو **ناپا جا سکتا ہے اور جھٹلایا جا سکتا ہے**، کوئی عام وصف نہیں جو تاویل کا احتمال رکھتا ہو۔ اگر مدت دو سال بڑھ جاتی یا گھٹ جاتی تو بات کھل جاتی۔ اور اس سے بھی عجیب یہ ہے کہ حدیث نے یہ نہیں کہا کہ «پھر اسلام ختم ہو جائے گا» اور نہ یہ کہ «پھر کفر غالب آئے گا» — بلکہ کہا «**پھر بادشاہت**»، یعنی ریاست کے باقی رہتے ہوئے حکومت کی شکل میں تبدیلی۔ اور بالکل یہی ہوا: اسلامی ریاست باقی رہی اور پھیلی، لیکن حاکم کو چننے کا طریقہ بدل گیا۔ سیاسی توصیف میں ایسی باریک بینی جو عدد کی باریک بینی سے کم نہیں۔

87

چرواہوں کا اونچی عمارتوں میں مقابلہ

یہ کہ لونڈی اپنی مالکہ کو جنم دے، اور یہ کہ آپ ننگے پاؤں، ننگے بدن، محتاج بکری چرانے والوں کو عمارتوں کی بلندی میں ایک دوسرے سے آگے بڑھتے دیکھیں۔

بخاری اور مسلم کی روایت — حدیثِ جبریل

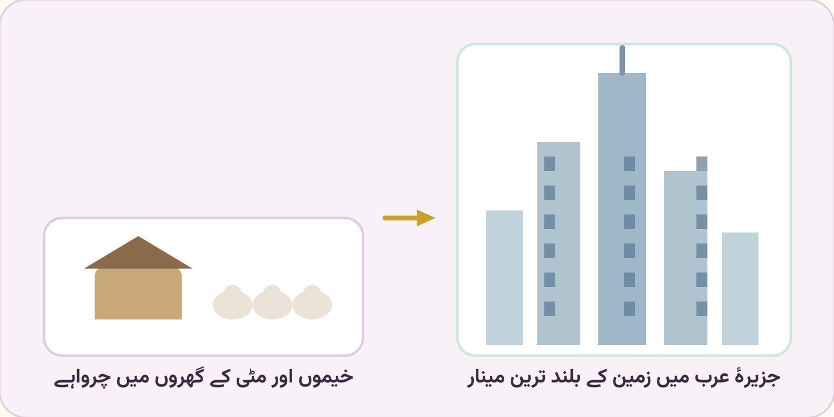

آج دنیا کی سب سے اونچی عمارت اُس صحرا میں کھڑی ہے جہاں گھر بالوں اور مٹی کے تھے

آسان لفظوں میں

نبی کریم ﷺ نے خبر دی کہ آخری زمانے کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ **ننگے پاؤں غریب چرواہے** اونچی عمارتیں بنانے میں ایک دوسرے سے مقابلہ کریں گے۔ اور یہی آج آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔

اُس وقت لوگ کیا سمجھتے تھے؟

اُس وقت جزیرہ نمائے عرب زمین کے آباد خطوں میں سب سے غریب تھا: نہ کوئی دریا، نہ کھیتی، نہ کوئی معلوم معدن۔ اس کے باشندے چرواہے تھے جو چارے کے پیچھے نقل مکانی کرتے تھے، اور اُن کے گھر بالوں اور مٹی کے تھے، ایک منزل سے اوپر نہیں۔ کسی کے وہم میں بھی نہ تھا کہ یہ سرزمین کبھی دولت اور تعمیر کا مرکز بنے گی۔

آج سائنس کیا کہتی ہے؟

جزیرہ نما میں تیل 1930 کی دہائی میں دریافت ہوا، اور دو نسلوں میں اس کا حال بدل گیا۔ آج دبئی میں **برج خلیفہ** 828 میٹر بلند دنیا کی سب سے اونچی عمارت ہے، زیرِ تعمیر **برج جدہ** ایک کلومیٹر سے تجاوز کر رہا ہے، اور مکہ میں **ابراج البیت** روئے زمین کی سب سے بڑی عمارتوں میں سے ہے۔ اور «سب سے اونچے» کا مقابلہ اسی خطے کی اعلان شدہ پہچان بن چکا ہے۔

یہ قطعی معجزہ کیوں ہے؟

ایک ہی جملے میں تین قیود اسے عام حکمت نہیں بلکہ پیش گوئی بنا دیتی ہیں۔ پہلی: **کرنے والوں کی شناخت** کا تعین — «ننگے پاؤں، ننگے بدن، محتاج بکری چرانے والے»، یعنی بنانے والے **خود وہی غریب** ہیں، کوئی مالدار اور تعمیر میں پرانی قوم نہیں۔ دوسری: فعل «**یتطاولون**» — یہ بابِ تفاعل ہے اور خاص طور پر **بلندی میں مقابلے** کو ظاہر کرتا ہے، محض اونچی عمارت بنانے کو نہیں۔ تیسری: یہ بات **ایک عظیم تبدیلی کی نشانی** کے طور پر کہی گئی، یعنی یہ معمول سے ہٹ کر ایسی چیز ہے جو نشانی شمار ہونے کے لائق ہے۔ اور جو شخص ایک بنجر صحرا کو دیکھ کر خبر دے کہ اس کے باشندے کسی دن زمین کی بلند ترین عمارت پر مقابلہ کریں گے، وہ اندازے سے بات نہیں کر رہا۔

88 یہاں تک کہ عرب کی سرزمین چراگاہوں اور نہروں کی طرف لوٹ جائے

قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ مال بڑھ جائے اور اُبل پڑے، یہاں تک کہ عرب کی سرزمین چراگاہوں اور نہروں کی طرف لوٹ جائے۔

مسلم کی روایت – صحیح

جزیرہ نما کی ریت کے نیچے قدیم دریاؤں کے راستے ہیں جنہیں سیٹلائٹ نے ظاہر کیا

آسان لفظوں میں

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ عرب کی سرزمین سرسبز چراگاہوں اور بہتی نہروں کی طرف **لوٹے گی**۔ اور کلیدی لفظ یہی «**لوٹے گی**» ہے – یعنی وہ پہلے ایسی ہو چکی ہے۔

اُس وقت لوگ کیا سمجھتے تھے؟

جزیرہ نمائے عرب لکھی ہوئی تاریخ سے بھی پہلے سے بنجر صحرا رہا ہے، اور اس کے باشندے اس کی کوئی دوسری حالت جانتے ہی نہ تھے۔ اور اس کے دور دراز موسمی ماضی کو جاننے کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ اور یہ کہنا کہ وہ چراگاہوں کی طرف لوٹے گی **اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ وہ پہلے چراگاہیں تھی** – اور خبر یہیں ہے۔

آج سائنس کیا کہتی ہے؟

سیٹلائٹ اور زمین میں اترنے والے ریڈار نے جزیرہ نما کی ریت کے نیچے **قدیم دریاؤں کے راستوں کا ایک وسیع جال** ظاہر کیا ہے، جنہیں «پتھرائے ہوئے دریا» کہا جاتا ہے، اور ان میں سب سے بڑے وادی الباطن اور وادی الرمہ ہیں۔ اور قدیم موسمیات کے مطالعات نے ثابت کیا ہے کہ جزیرہ نما پر بار بار مرطوب ادوار گزرے ہیں (آخری تقریباً 6 ہزار سال پہلے) جن میں جھیلیں، دریا، چراگاہیں اور بڑے جانور تھے۔ اور وہاں خشک جھیلوں کے کنارے دریائی گھوڑوں اور مگرمچھوں کی ہڈیاں اور پتھر کے اوزار ملے ہیں۔ اور موسمی چکر مستقبل میں نمی کے لوٹنے کی خبر دیتے ہیں۔

یہ قطعی معجزہ کیوں ہے؟

ایک ہی لفظ اعجاز اٹھائے ہوئے ہے: «**لوٹے گی**»۔ یہ بیک وقت دو باتیں ثابت کرتا ہے: ایک ایسے ارضیاتی **ماضی** کی خبر جس کا کسی کو علم نہ تھا، اور ایک ایسے **مستقبل** کی پیش گوئی جو ابھی واقع نہیں ہوا۔ اگر «بن جائے گی» کہا جاتا تو یہ صرف مستقبل کی بات ہوتی۔ اور خود حدیث کے اندر کا قرینہ دیکھیے: اس نے اسے «مال بڑھ جائے اور اُبل پڑے» کے ساتھ ملایا – اور یہ حصہ تیل کے ذریعے واقعتاً پورا ہو چکا ہے، اور یہی آج وہاں شجرکاری اور زراعت کے بڑے منصوبوں کو مالی سہارا دے رہا ہے۔

89 ایک آگ جو سرزمینِ حجاز سے نکلے گی

قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ حجاز کی سرزمین سے ایک آگ نکلے جو بُصریٰ میں اونٹوں کی گردنیں روشن کر دے۔

بخاری اور مسلم کی روایت — متفق علیہ

ایک تاریخی آتش فشانی دھماکا جو مصادر میں اور لاوے کی تہوں میں درج ہے

آسان لفظوں میں

نبی کریم ﷺ نے خبر دی کہ ایک آگ سرزمینِ حجاز سے نکلے گی جس کی روشنی شام کے شہر **بُصریٰ** تک پہنچے گی، جو سیکڑوں کلومیٹر دور ہے۔ اور یہ 1256 عیسوی میں واقع ہوا۔

اُس وقت لوگ کیا سمجھتے تھے؟

حجاز ایک صحرائی سرزمین ہے جس کے باشندوں نے اپنی زندگی میں کوئی آتش فشاں نہیں دیکھا تھا۔ اور «آتش فشاں» کا لفظ ہی اُن کے ماحول میں معلوم نہ تھا۔ اور **نکلنے کی جگہ** اور **روشنی کی پہنچ** کو کسی دوسرے ملک کے ایک معیّن شہر کے نام سے متعیّن کرنا ایسی تفصیل ہے جو یقین کے بغیر نہیں کہی جاتی۔

آج سائنس کیا کہتی ہے؟

جمادی الآخرہ 654 ہجری / جون 1256 عیسوی میں مدینہ منورہ کے مشرق میں **حرّہ رہط** میں ایک آتش فشاں پھٹا، جو 52 دن جاری رہا، اور اس سے 23 کلومیٹر لمبا لاوے کا دریا بہا۔ اس کے ہم عصر مؤرخین — ابو شامہ، قرطبی اور نووی — نے اس کا بیان کیا، اور ابن کثیر نے ان کی خبریں «البدایہ والنہایہ» میں نقل کیں، اور انہوں نے لکھا کہ **اس کی روشنی بُصریٰ، تیماء اور مکہ سے دیکھی گئی**، اور لوگ رات کو اس سے روشنی لیتے تھے۔ اور ماہرینِ ارضیات نے حرّہ رہط کے لاوے کے بہاؤ کا مطالعہ کر کے انہیں اسی تاریخ سے منسوب کیا ہے۔

یہ قطعی معجزہ کیوں ہے؟

وصف کی باریکی دیکھیے: صرف «ایک بڑی آگ» نہیں کہا، بلکہ **نظر آنے والا اثر** متعیّن کیا: «**بُصریٰ میں اونٹوں کی گردنیں روشن کر دے**»۔ اور بُصریٰ جنوبی شام کا ایک شہر ہے، جو مدینہ سے تقریباً ایک ہزار کلومیٹر دور ہے۔ اور خاص طور پر «**اونٹوں کی گردنوں**» کی تفصیل عجیب لگتی ہے جب تک سمجھ میں نہ آئے: دور کی اُفقی چمک اُفق کی لکیر سے اوپر اٹھی ہوئی چیزوں کو روشن کرتی ہے، اور اونٹ کی گردن قافلے میں سب سے اونچی چیز ہے۔ اور بالکل یہی وہ ہے جو مؤرخین نے چھ صدیوں بعد بیان کیا۔ اور یہ واقعہ بہت سے مستقل مصادر میں درج ہے اور پتھر میں ارضیاتی طور پر ثابت ہے۔

مآخذ Camp, Hooper, Roobol & White (1987) — *The Madinah eruption* · ابن کثیر — «البِداية والنِّهاية»

زمانہ قریب ہوتا جائے گا

قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ زمانہ قریب ہو جائے، تو سال مہینے جیسا ہو جائے، اور مہینہ ہفتے جیسا، اور ہفتہ دن جیسا۔

احمد اور ترمذی کی روایت – البانی نے صحیح کہا

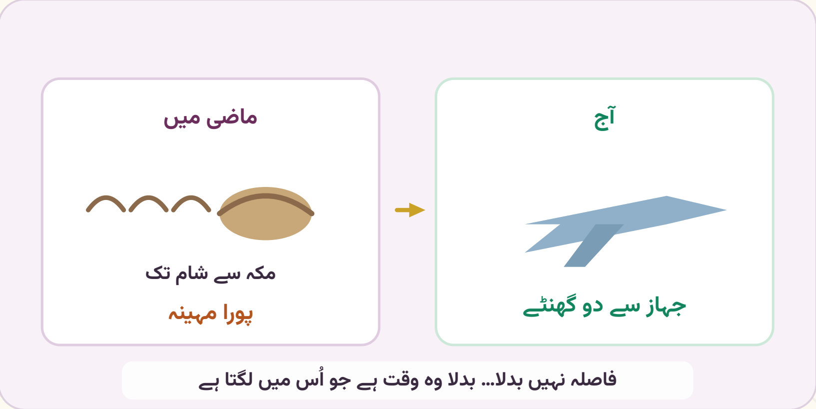

جو کام ایک مہینہ لیتا تھا اب دو گھنٹے لیتا ہے

آسان لفظوں میں

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ زمانہ **قریب ہوتا جائے گا**، تو سال مہینے جیسا اور مہینہ ہفتے جیسا ہو جائے گا۔ اور یہی ہم جی رہے ہیں: جو کام مہینے مانگتا تھا اب گھنٹے مانگتا ہے۔

اُس وقت لوگ کیا سمجھتے تھے؟

تخلیق کی ابتدا سے انسان کے تجربے میں وقت ایک ثابت چیز تھا۔ اونٹ اور گھوڑے کا سفر، خط مہینوں چلتا، اور خبر موسموں کے بعد پہنچتی۔ اور تصور بھی نہ کیا جا سکتا تھا کہ یہ نسبتیں کبھی بدلیں گی – یہ تو زندگی کے ثوابت میں سے تھیں۔

آج سائنس کیا کہتی ہے؟

جو فاصلہ قافلہ ایک مہینے میں طے کرتا تھا، ہوائی جہاز دو گھنٹے میں طے کر لیتا ہے۔ اور جو خط مہینوں لیتا تھا، اب ایک سیکنڈ سے بھی کم میں پہنچ جاتا ہے۔ اور جو کام کتب خانوں میں ایک عمر کی تلاش مانگتا تھا، منٹوں میں ہو جاتا ہے۔ اور یہ تیزی عمرانیات میں **«زمان و مکان کے دباؤ»** (Time-Space Compression) کے نام سے مطالعے کا موضوع بن چکی ہے، اور یہ ایک مسلّمہ اصطلاح ہے جو نقل و حمل اور رابطے کی رفتار کے اثر کو فاصلوں کے ادراک پر بیان کرتی ہے۔

یہ قطعی معجزہ کیوں ہے؟

خود یہ تعبیر ہی اعجاز ہے۔ نہ یہ کہا کہ «برکت کم ہو جائے گی» اور نہ یہ کہ «عمر تیزی سے گزرے گی» – حالانکہ دونوں ممکن اور قابلِ قبول تفسیریں ہیں۔ بلکہ **ایک درجہ بہ درجہ ریاضیاتی نسبت** کا صیغہ استعمال کیا: سال ← مہینہ، مہینہ ← ہفتہ، ہفتہ ← دن، اور دن ← گھنٹہ۔ یعنی زمانی اکائی ہر درجے پر سکڑ کر اپنے تقریباً دسویں حصے پر آ جاتی ہے۔ اور «**یتقارب**» بابِ مفاعلہ کا فعل ہے جو دونوں کناروں کے ایک دوسرے کے قریب آنے کو ظاہر کرتا ہے – اور یہ فاصلوں کے سکڑنے کا باریک وصف ہے، صرف برکت کی کمی کا نہیں۔ اور «زمان و مکان کا دباؤ» کی اصطلاح، جو ماہرِ جغرافیہ ڈیوڈ ہاروی نے بیسویں صدی میں گھڑی، تقریباً اسی عبارت کا لفظی ترجمہ ہے۔

مآخذ Time–space compression · David Harvey — *The Condition of Postmodernity*, 1989

مال اتنا بڑھے گا کہ صدقہ لینے والا نہ ملے گا

قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ آپ میں مال بڑھ جائے اور اُبل پڑے، یہاں تک کہ مال والے کو یہ فکر لاحق ہو کہ اس کا صدقہ کون قبول کرے گا۔

بخاری اور مسلم کی روایت — متفق علیہ

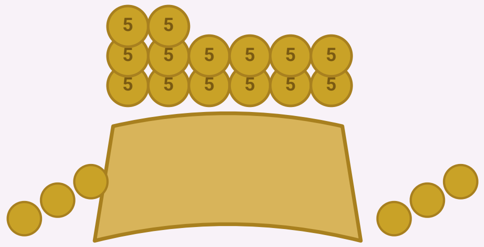

نبی کریم ﷺ کے پیٹ پر پتھر باندھنے سے… ایک ایسے فاضل مال تک جس کا لینے والا نہیں

آسان لفظوں میں

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ایک زمانہ آئے گا جس میں مال اتنا بڑھ جائے گا کہ **مال والا ایسا محتاج ڈھونڈنے میں تھک جائے گا جو اس کا صدقہ قبول کرے**۔ اور یہ تاریخ میں کئی بار ہوا اور آج بھی ہو رہا ہے۔

اُس وقت لوگ کیا سمجھتے تھے؟

یہ بات ایک ایسے معاشرے میں کہی گئی جو **واقعی بھوک جھیل رہا تھا**: صحابہ غزوۂ خندق کے دن اپنے پیٹوں پر پتھر باندھتے تھے، اور اہلِ صُفّہ کو ستر ڈھانپنے کو کپڑا نہ ملتا تھا۔ اور یہ خیال کہ مال اتنا اُبل پڑے کہ کوئی محتاج ہی نہ ملے، اُس دن ناقابلِ تصور تھا۔ اور اُس وقت تک کی ساری انسانی تاریخ قلت کی تاریخ تھی، فراوانی کی نہیں۔

آج سائنس کیا کہتی ہے؟

یہ کھلے طور پر **عمر بن عبدالعزیز کی خلافت** میں ہوا، یہاں تک کہ مؤرخین نے لکھا کہ ان کے عامل مال لے کر پھرتے تھے اور کوئی لینے والا نہ ملتا تھا، تو انھوں نے اس سے غلام آزاد کرائے اور بے نکاح لوگوں کے نکاح کرائے۔ اور ہمارے زمانے میں: خلیجی ممالک جن میں مال اتنا اُبل رہا ہے کہ اب مشکل **زکات کے مصارف تلاش کرنا** ہے، عالمی خیراتی ادارے جو ایسے فاضل مال کا اعلان کرتے ہیں جس کا مصرف اپنے ملک میں نہیں ملتا، اور نئے معاشی مسائل جن کے نام **«زائد پیداوار»** اور «حد سے زیادہ صَرف» ہیں۔

یہ قطعی معجزہ کیوں ہے؟

یہاں پیش گوئی یہ نہیں کہ «لوگ مالدار ہو جائیں گے» — یہ تو ممکن بات ہے — بلکہ یہ بالکل الٹی ہوئی ایک مساوات ہے: **کہ لینے کے بجائے دینا مسئلہ بن جائے**۔ اور یہ معاشرے کی ساخت میں ایک انقلاب ہے، محض حالت کی بہتری نہیں۔ اور فعل «**يُهِمّ**» باریک ہے: یعنی اسے بے چین کرے اور اس کا دھیان گھیرے — تو مسئلہ نفسیاتی اور انتظامی ہے، مادی نہیں۔ اور یہی بالکل آج کے زکات فنڈز کا حال ہے جب وہ ایسے فاضل مال کا اعلان کرتے ہیں جس کا کوئی مصرف نہیں۔ اور یہ اُن لوگوں سے کہا گیا جنھیں دن بھر کا کھانا میسر نہ تھا۔

آپ مصر فتح کریں گے... اس کے لوگوں سے بھلائی کریں

آپ لوگ مصر فتح کریں گے، اور وہ ایسی سرزمین ہے جس میں قیراط کا نام لیا جاتا ہے۔ تو جب اسے فتح کر لیں تو اس کے اھل سے بھلائی کریں، کیونکہ اُن کا ایک ذمہ ہے اور ایک رشتہ۔

مسلم کی روایت — صحیح

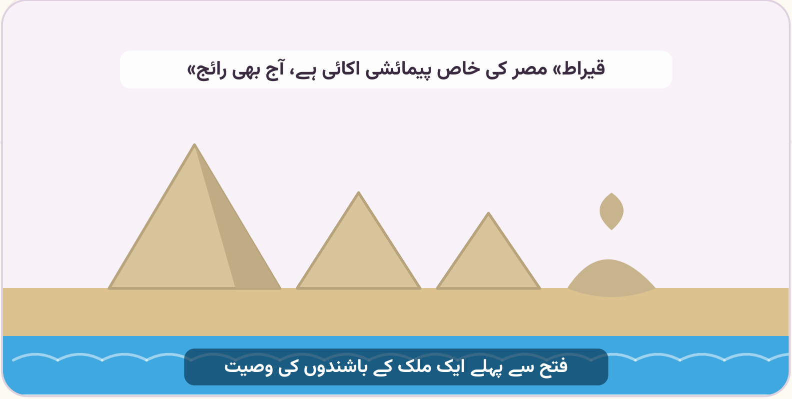

مصر: نبی کریم ﷺ نے اس کی فتح سے تقریباً دس سال پہلے اس کے بارے میں وصیت کی

آسان لفظوں میں

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان **مصر فتح کریں گے**، اور اس میں داخل ہونے سے پہلے ہی انہیں اس کے باشندوں سے بھلائی کی وصیت کی۔ اور اس کی ایک نشانی بتائی: کہ وہ ایسی سرزمین ہے جس میں **«قیراط»** استعمال ہوتا ہے۔

اُس وقت لوگ کیا سمجھتے تھے؟

اُس وقت مصر رومیوں کی ایک مضبوط ولایت تھا، اور اسلامی ریاست نوزائیدہ تھی جو ابھی جزیرہ نما سے باہر بھی نہ نکلی تھی۔ اور عرب مصر کو تجارت کے راستے جانتے تھے، اس کے نظاموں کی تفصیلات نہیں جانتے تھے۔ اور کسی ملک کے باشندوں کے بارے میں **اس کی فتح سے پہلے** وصیت کرنا اس بات کا جزم ہے کہ وہ فتح ہوگا۔

آج سائنس کیا کہتی ہے؟

مصر 20 ہجری میں عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں عمرو بن العاص کے ہاتھوں فتح ہوا۔ رہا «**قیراط**»، تو یہ یونانی مصری اصل کی ماپ کی ایک اکائی ہے، اور آج تک مصر میں زمین ناپنے کے لیے (قیراط = فدان کا 1/24) اور سونے کے لیے (21 اور 24 قیراط عیار) استعمال ہوتی ہے۔ اور یہ ایسی اکائی ہے جو **عرب کے دوسرے ملکوں میں اس عام طور پر استعمال نہیں ہوتی**۔ اور مؤرخین برابر لکھتے رہے کہ اہلِ مصر اس نام کے ساتھ خاص ہیں۔

یہ قطعی معجزہ کیوں ہے؟

ذکر کی گئی نشانی ہی گواہ ہے: «**ایسی سرزمین جس میں قیراط کا نام لیا جاتا ہے**»۔ اور یہ ایک ایسی مقامی اصطلاح سے پہچان کرانا ہے جو اُس ملک کے باشندوں کے ساتھ خاص تھی جس میں مسلمان ابھی داخل بھی نہ ہوئے تھے — اور یہ اُس قسم کی تفصیل ہے جو جاننے والے کے سوا کوئی نہیں بتاتا۔ پھر اس سے بھی عجیب علت: «کیونکہ اُن کا **ایک ذمہ ہے اور ایک رشتہ**» — اور رشتے سے اشارہ ہاجرہ کی طرف ہے، جو اسماعیل علیہ السلام کی والدہ اور مصری تھیں، اور ماریہ قبطیہ کی طرف، جو نبی کریم ﷺ کے بیٹے ابراہیم کی والدہ تھیں۔ تو یہ وصیت ایک حقیقی نسب پر قائم ہے۔ ایک قوم کے ساتھ حسنِ سلوک کی وصیت، اُن کے ملک کی فتح سے تقریباً دس سال پہلے، ایک ایسے شخص کی طرف سے جس کے پاس یہ بات کہتے دن کوئی لشکر ہی نہ تھا۔

اویس قرنی... ایک ایسے شخص کا وصف جسے دیکھا نہ تھا

> آپ لوگوں کے پاس اویس بن عامر یمن والوں کی کمک کے ساتھ آئے گا، مراد سے، پھر قرن سے۔ اسے برص تھا، پھر وہ اس سے شفا پا گیا سوائے ایک درہم کی جگہ کے۔ اس کی ایک والدہ ہے جس کے ساتھ وہ نیک سلوک کرتا ہے۔
>
> مسلم کی روایت – صحیح

پانچ نشانیاں، پہلے سے متعیّن

- ✔ نام: اویس بن عامر
- ✔ اُس کا قبیلہ: مراد، پھر قَرن
- ✔ برص تھا، پھر شفا پا گیا
- ✔ ایک درہم کی جگہ باقی رہی
- ✔ ماں سے نیک سلوک، اور بس

عمر نے برسوں بعد اسے انہی سب نشانیوں سے پایا

عمر بن الخطاب حج کے موسموں میں اس کے بارے میں پوچھتے رہے یہاں تک کہ اسے پا لیا

آسان لفظوں میں

نبی کریم ﷺ نے ایک ایسے شخص کا وصف بیان کیا **جسے نہ کبھی دیکھا تھا نہ ملے تھے**: اس کا نام، اس کا قبیلہ، یہ کہ وہ ایک بیماری سے شفا پا چکا ہے سوائے ایک سکے جتنے دھبے کے، اور یہ کہ وہ اپنی ماں کے ساتھ نیک سلوک کرتا ہے۔ پھر عمر رضی اللہ عنہ نے اسے انہی سب نشانیوں کے ساتھ پایا۔

اُس وقت لوگ کیا سمجھتے تھے؟

اویس یمن کا ایک گمنام شخص تھا، نہ جاہ نہ شہرت، اور وہ نبی کریم ﷺ سے کبھی نہ ملا (اسی لیے وہ صحابہ میں نہیں بلکہ تابعین میں شمار ہوتا ہے)۔ اور یمن اور مدینہ کے درمیان لمبا فاصلہ ہے، اور وہاں کے عام افراد کی خبریں جاننے کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ اور وصف میں **ایک نہایت باریک جسمانی نشانی** بھی شامل ہے جسے اُسی نے جانا ہوگا جس نے اسے برہنہ دیکھا ہو۔

آج سائنس کیا کہتی ہے؟

عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سال بہ سال یمن والوں کی کمک میں اویس کے بارے میں پوچھتے نکلتے رہے، یہاں تک کہ اُن سے جا ملے۔ پھر اُن سے اُن کا نام اور قبیلہ پوچھا، پھر برص کے بارے میں پوچھا تو معاملہ ویسا ہی پایا جیسا بیان ہوا تھا، پھر پوچھا: «کیا آپ کی والدہ ہیں؟» کہا: جی ہاں۔ تو اُن سے درخواست کی کہ وہ اُن کے لیے مغفرت مانگیں۔ اور پورا قصہ **صحیح مسلم** میں ہے، جو اس باب کی سب سے معتبر روایات میں سے ہے۔

یہ قطعی معجزہ کیوں ہے؟

پانچ مستقل نشانیاں ایک ہی شخص میں جمع ہوئیں۔ نام اور نسب تو شاید کوئی اٹکل لگانے والا بھی پا لے، لیکن چوتھی نشانی فیصلہ کن ہے: «**اسے برص تھا جس سے وہ شفا پا گیا سوائے ایک درہم کی جگہ کے**» – یہ ایک گزری ہوئی بیماری کا، اس سے شفا کا، اور ایک متعیّن ناپ کے بچے ہوئے نشان کا وصف ہے۔ ایک ہی نشانی میں تین معلومات، دوسرے ملک میں رہنے والے ایک شخص کے جسم کے بارے میں۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ **اُن سے دعا کی درخواست کریں** – تو امیر المؤمنین برسوں ایک گمنام چرواہے کو تلاش کرتے رہے تاکہ وہ اُن کے لیے مغفرت مانگے۔ اور اگر ایک نشانی بھی غلط نکلتی تو ساری خبر صحابہ کی آنکھوں کے سامنے گر جاتی۔

94

پہلا لشکر جو سمندر میں اترے گا

میری امت کا پہلا لشکر جو سمندر میں جہاد کرے گا، اُس نے جنت واجب کر لی ... پھر فرمایا: آپ اوّلین لوگوں میں سے ہیں۔

بخاری اور مسلم کی روایت — متفق علیہ

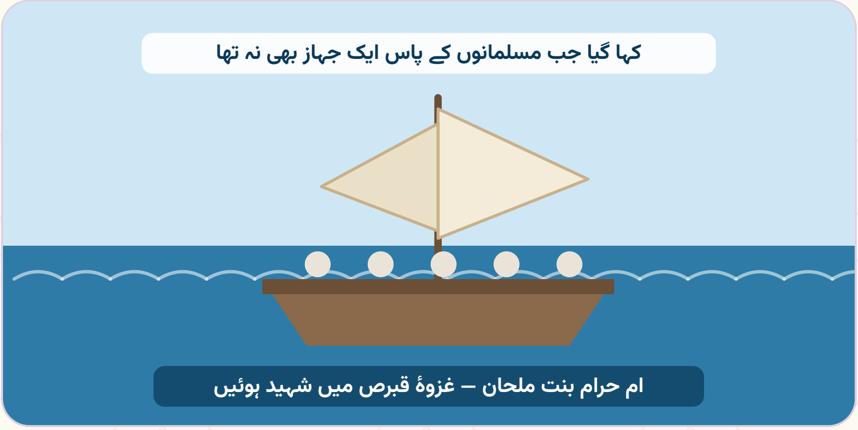

اسلام کی پہلی بحری مہم — قبرص، 28 ہجری

آسان لفظوں میں

نبی کریم ﷺ نے خواب میں اپنی امت کا ایک لشکر **سمندر میں اترتے** دیکھا، تو ام حرام نے درخواست کی کہ وہ دعا کریں کہ وہ بھی اُن میں ہوں، تو فرمایا: **«آپ اوّلین میں سے ہیں»**۔ اور ایسا ہی ہوا۔

اُس وقت لوگ کیا سمجھتے تھے؟

عرب خشکی کی قوم تھے، سمندر کی نہیں۔ نہ اُن کے پاس جہاز تھے نہ بحری جنگ کا علم، اور اُن کی ثقافت میں سمندر ایک ڈراؤنی چیز تھا جس سے بچا جاتا تھا۔ بلکہ عمر بن الخطاب نے اپنی پوری خلافت میں لوگوں پر خوف کے سبب سمندری جہاد کی اجازت دینے سے انکار کیا۔ تو ایک اسلامی بحری لشکر کی پیش گوئی بے حد بعید تھی۔

آج سائنس کیا کہتی ہے؟

28 ہجری میں عثمان بن عفان نے معاویہ کو سمندری جہاد کی اجازت دی، تو پہلا اسلامی بحری بیڑا بنا اور اس نے **قبرص** پر حملہ کیا۔ اور اس کے ساتھ **ام حرام بنت ملحان** رضی اللہ عنہا بھی نکلیں، پھر جب وہ اتریں تو اُن کے لیے سواری لائی گئی جس نے انہیں گرا دیا اور وہ وفات پا گئیں، تو وہیں دفن ہوئیں۔ اور اُن کی قبر آج تک قبرص میں «ہالا سلطان تکیہ» کے نام سے معروف ہے اور لوگ اس کی زیارت کرتے ہیں۔ اور قصہ صحیحین میں ہے۔

یہ قطعی معجزہ کیوں ہے؟

ایک مختصر جملے میں خبر کی تین تہیں۔ پہلی: کہ امت کا سرے سے **ایک بحری لشکر** ہوگا — حالانکہ یہ صحرا کی قوم ہے جس کے پاس جہاز ہی نہیں۔ دوسری: کہ ایک معیّن خاتون **اُس میں ہوں گی** — اور وہ اُس دن مدینہ میں تھیں، سمندر کا خیال تک نہ تھا۔ تیسری، اور یہی سب سے باریک ہے: کہ وہ «**اوّلین**» میں سے ہوں گی، آخرین میں سے نہیں — یعنی خاص طور پر **پہلی مہم** میں، کسی بعد کی مہم میں نہیں۔ اور انہوں نے تو درخواست کی تھی کہ وہ اُس دوسری جماعت میں ہوں جو انہوں نے دیکھی تھی، تو فرمایا: «آپ اوّلین میں سے ہیں»۔ سو تعیین اپنی جگہ پوری ہوئی۔ اور وہ اسی مہم میں وفات پا گئیں، خبر کے تقریباً بیس سال بعد۔

خوارج... اور وہ شخص جس کا ایک ہاتھ عورت کی چھاتی جیسا تھا

آپ لوگوں میں ایک ایسی قوم نکلے گی جس کی نماز کے سامنے آپ اپنی نماز کو حقیر سمجھیں گے ... وہ قرآن پڑھیں گے مگر وہ اُن کے حلق سے نیچے نہ اترے گا، وہ دین سے یوں نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے پار نکل جاتا ہے۔

بخاری اور مسلم کی روایت — متفق علیہ

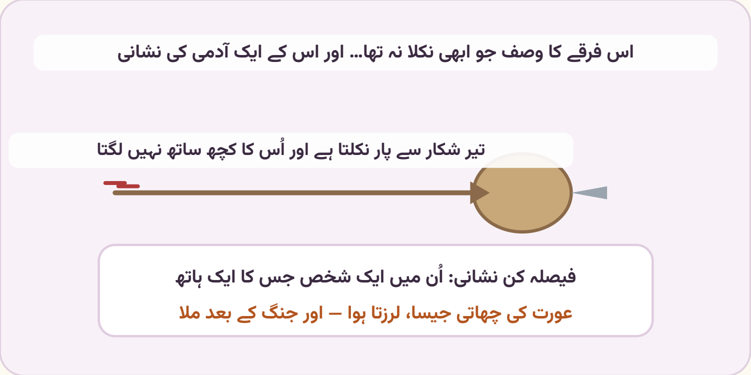

علی رضی اللہ عنہ نے مقتولوں میں اسے تلاش کرنے کا حکم دیا یہاں تک کہ وہ مل گیا

آسان لفظوں میں

نبی کریم ﷺ نے ایک ایسی جماعت کا وصف بیان کیا جو مسلمانوں میں نکلے گی: ظاہر میں اُن کی عبادت بہت سخت ہوگی اور وہ قرآن پڑھیں گے، لیکن وہ **دین سے نکل جائیں گے**۔ اور ایک نشانی دی: اُن میں ایک شخص ہوگا جس کا ہاتھ ادھورا اور عجیب شکل کا ہوگا۔

اُس وقت لوگ کیا سمجھتے تھے؟

اُس وقت امت میں نہ کوئی فرقے تھے نہ کوئی تقسیم۔ اور ایسے لوگوں کا خیال جو **شدتِ عبادت اور دین سے نکل جانے کو جمع کر لیں** بظاہر متضاد تھا — کیونکہ معمول یہ ہے کہ بھٹکا ہوا شخص اپنی عبادت میں کوتاہ ہوتا ہے، اس میں مبالغہ کرنے والا نہیں۔

آج سائنس کیا کہتی ہے؟

خوارج علی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ظاہر ہوئے، انھوں نے مسلمانوں کو کافر کہا اور اُن کے خون حلال ٹھہرائے، جبکہ وہ لمبی نماز اور کثرتِ تلاوت میں مشہور تھے۔ اور علی رضی اللہ عنہ نے 38 ہجری میں **نہروان** میں اُن سے جنگ کی۔ اور جنگ کے بعد اُس بیان کیے گئے شخص کو تلاش کرنے کا حکم دیا، تو اسے مقتولوں میں ڈھونڈا گیا یہاں تک کہ وہ مل گیا: ایک شخص جس کا ایک ہاتھ عورت کی چھاتی جیسا تھا، تو علی رضی اللہ عنہ نے تکبیر کہی اور فرمایا: «اللہ نے سچ کہا اور اس کے رسول نے پہنچا دیا»۔ اور قصہ صحیح مسلم میں ہے۔

یہ قطعی معجزہ کیوں ہے؟

تشبیہ خود نہایت باریک ہے: «**وہ دین سے یوں نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے پار نکل جاتا ہے**»۔ اور تیر جب شکار کے پار نکلتا ہے تو **صاف نکلتا ہے، اس پر خون یا گوشت کچھ نہیں لگتا** — اور یہ اُس کا وصف ہے جو دین سے گزر جائے اور اس کے پاس اس میں سے کچھ باقی نہ رہے، باوجود اس کے کہ وہ اس میں بہت تیز ہو۔ لیکن فیصلہ کن چیز **جسمانی نشانی** ہے: ایک معیّن شخص کے بازو میں ایک نادر بگاڑ، ایک ایسی جماعت میں جو ابھی پیدا ہی نہ ہوئی تھی، ایک ایسی جنگ میں جو ابھی ہوئی ہی نہ تھی۔ اور یہ ایسی نشانی ہے جسے **فوراً جانچا جا سکتا ہے** — اسی لیے علی رضی اللہ عنہ نے خود مقتولوں میں اسے تلاش کیا۔ اور اگر وہ نہ ملتا تو خبر ایک پورے لشکر کے سامنے گر جاتی۔

چھوٹی آنکھوں اور چوڑے چہروں والی ایک قوم

قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ آپ ایک ایسی قوم سے جنگ کریں جن کے جوتے بالوں کے ہوں گے، اور یہاں تک کہ آپ ترکوں سے جنگ کریں — چھوٹی آنکھوں والے، سرخ چہروں والے، چپٹی ناکوں والے، گویا اُن کے چہرے تہ دار ڈھالیں ہوں۔

بخاری اور مسلم کی روایت — متفق علیہ

وسطی ایشیا کی قوموں کے نقوش، عربوں کے انہیں دیکھنے سے صدیوں پہلے بیان ہوئے

آسان لفظوں میں

نبی کریم ﷺ نے ایک ایسی قوم کا وصف بیان کیا جن سے مسلمان جنگ کریں گے، اور **اُن کے چہروں کی ساخت** بیان کی: چھوٹی آنکھیں، چوڑے گول چہرے، اور چھوٹی چپٹی ناکیں۔ اور یہ وسطی ایشیا کی قوموں اور منگولوں کے نقوش ہیں۔

اُس وقت لوگ کیا سمجھتے تھے؟

جزیرہ نما کے عرب اپنے سوا صرف رومیوں، فارسیوں اور حبشیوں کو دیکھتے تھے — اور اُن سب کے نقوش اس وصف سے بالکل مختلف ہیں۔ اور ایشیائی میدانوں کی قومیں فارس کے پیچھے دور مشرق میں تھیں، جن کی خبر جزیرہ نما تک نہ پہنچتی تھی۔ اور عربوں اور اُن کے درمیان نہ کوئی رابطہ تھا، نہ جنگ، نہ تجارت۔

آج سائنس کیا کہتی ہے؟

حدیث نے تین تشریحی خصوصیات بیان کیں جو آج مشرقی اور وسطی ایشیا کی قوموں کی امتیازی علامتیں مانی جاتی ہیں: **تنگ پپوٹوں کا شگاف مع گوشۂ چشم کی تہ**، **چوڑا چپٹا چہرہ جس کی رخساری ہڈیاں اُبھری ہوئی ہوں**، اور **چھوٹی، نیچی ڈنڈی والی ناک**۔ اور جنگ واقعتاً ہوئی: ساتویں صدی ہجری کا منگول حملہ جس نے 656 ہجری میں بغداد تباہ کیا، پھر 658 ہجری میں **عین جالوت** میں شکست کھائی۔ اور اس سے پہلے پہلی صدی ہی سے مسلمانوں کی ترکوں کے ساتھ ماوراء النہر میں جنگیں ہوئیں۔

یہ قطعی معجزہ کیوں ہے؟

یہ ایک **بشریاتی** وصف ہے، نہ سیاسی نہ عسکری۔ اور یہ کسی ایک خصوصیت پر نہیں رکا جو اتفاقاً درست بیٹھ سکتی ہو، بلکہ **چار ساتھ پائی جانے والی خصوصیات** کو جمع کیا جو مل کر ایک معیّن چہرے کا نمونہ بناتی ہیں، جسے آج نسلیات کا علم پہچانتا ہے۔ اور آخری تشبیہ نہایت باریک ہے: «گویا اُن کے چہرے **تہ دار ڈھالیں** ہوں» — اور مِجَنّ ڈھال کو کہتے ہیں، اور مُطرَق وہ ہے جس پر چمڑے کی تہیں چڑھائی گئی ہوں، تو وہ چوڑی، گول اور کم اُبھری ہوئی ہو جاتی ہے۔ ایک شخص جزیرہ نما کے صحرا میں بیٹھ کر چین کے پار بسنے والی ایک قوم کے نقوش بیان کرے، پھر خبر دے کہ اس کی امت اُن سے جنگ کرے گی — اس میں اٹکل کا کوئی دخل نہیں۔

وہ شراب پئیں گے اور اسے دوسرے نام سے پکاریں گے

میری امت کے کچھ لوگ ضرور شراب پئیں گے، اسے اس کے نام کے سوا دوسرے نام سے پکاریں گے

ابو داؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا — البانی نے صحیح کہا

نام بدل دیا جاتا ہے تاکہ حرام کا لینا آسان ہو جائے

آسان لفظوں میں

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ان کی امت کے کچھ لوگ شراب پئیں گے، مگر **اسے شراب نہیں کہیں گے** — وہ اسے دوسرے نام دیں گے تاکہ گوارا بھی ہو جائے اور جواز بھی نکل آئے۔

اُس وقت لوگ کیا سمجھتے تھے؟

شراب کو کھلے عام اس کے اپنے نام سے پکارا جاتا تھا اور شاعری میں اس پر فخر کیا جاتا تھا۔ کسی کو اس سے شرم نہ تھی، نہ نام چھپانے کی ضرورت۔ سو حدیث ایک خاص **نفسیاتی اور سماجی** روّیے کی خبر دے رہی ہے: لوگ حرمت کو مانیں گے، پھر نام بدل کر اس سے بچ نکلیں گے۔

آج سائنس کیا کہتی ہے؟

یہ عمرانیات اور لسانیات میں ایک معلوم ظاہرہ ہے جسے **«تلطیفِ لفظی»** (Euphemism) کہتے ہیں: کسی چیز کا نام بدل دینا تاکہ اس کی شدت کم ہو جائے یا اس کی ممانعت سے بچا جا سکے۔ ہمارا زمانہ اس کی مثالوں سے بھرا ہے: «روحانی مشروبات»، «صحت بخش نبیذ»، «انرجی ڈرنکس» جن میں الکحل ہوتی ہے، «خمیر شدہ املی»، اور «بغیر الکحل کی بیئر» جس میں کچھ نہ کچھ الکحل ہوتی ہے۔ یہی اصول سود میں برتا جاتا ہے («فائدہ»، «سرمایہ کاری کا منافع») اور دوسرے محرّمات میں بھی۔

یہ قطعی معجزہ کیوں ہے؟

یہاں پیشین گوئی کسی **فعل** کی نہیں بلکہ ایک **لسانی چال** کی ہے — اور یہ کہیں زیادہ باریک اور مشکل بات ہے۔ یہ کہنا کہ «کچھ لوگ شراب پئیں گے» ایک متوقع خبر ہے۔ مگر **حیلے کا طریقہ** متعین کر دینا — یعنی حکم کا انکار نہیں بلکہ نام کی تبدیلی — ایک ایسے نفسیاتی و سماجی طریقِ کار کا بیان ہے جو اس معاشرے میں سرے سے نظر ہی نہ آتا تھا۔ آج یہ عمرانی لسانیات کا ایک پورا باب ہے۔ اور یہ اس دوسری حدیث کے عین مطابق ہے جس میں اس شخص کی مذمت ہے جو «حرام کو ایک نام دے کر حلال کر لیتا ہے» — قاعدہ ایک ہی ہے، خواہ صورتیں کتنی ہی ہوں۔

مآخذ Euphemism · Allan & Burridge — *Euphemism and Dysphemism*, 1991

98

تم ضرور اپنے سے پہلوں کے طریقوں پر چلو گے

> تم ضرور اپنے سے پہلوں کے طریقوں پر بالشت بہ بالشت اور ہاتھ بہ ہاتھ چلو گے، یہاں تک کہ اگر وہ گوہ کے بل میں گھسیں تو تم بھی ان کے پیچھے گھسو گے
>
> بخاری اور مسلم نے روایت کیا — متفق علیہ

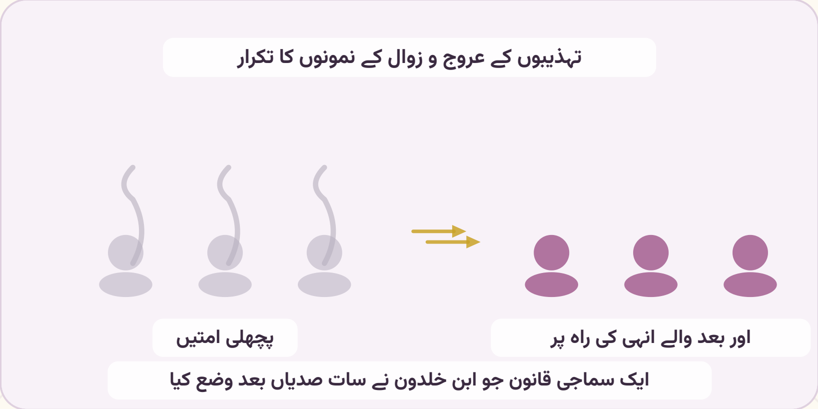

قومیں اپنے پیش روؤں کی غلطیاں اس حد تک دہراتی ہیں کہ مؤرخ حیران رہ جاتے ہیں

آسان لفظوں میں

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ یہ امت اپنے سے پہلی قوموں کی **قدم بہ قدم** نقل کرے گی، حتیٰ کہ ان فضول باتوں میں بھی جن میں کوئی فائدہ نہیں۔

اُس وقت لوگ کیا سمجھتے تھے؟

عام تصور یہ تھا کہ ہر قوم کا اپنا الگ راستہ ہے، اور مسلمان اپنے دین کی وجہ سے اس سے بلند ہیں کہ اسی گڑھے میں گریں جس میں اور لوگ گرے۔ کسی ایسے «قانون» کا تصور ہی نہ تھا جو بلا استثنا تمام قوموں کے سفر پر حکم کرتا ہو۔

آج سائنس کیا کہتی ہے؟

تاریخی عمرانیات میں اسی کو **«تہذیبی ادوار»** کہتے ہیں۔ ابنِ خلدون نے سات صدیاں بعد اپنے مقدمے میں اسے مرتب کیا، اور بیسویں صدی میں اوسوالڈ شپینگلر اور آرنلڈ ٹوائن بی نے اسی پر اپنے نظریے کھڑے کیے: **قومیں عروج، عیش اور زوال کے ملتے جلتے مرحلوں سے گزرتی ہیں** اور اپنے پیش روؤں کی غلطیاں ایسے دہراتی ہیں کہ بات تقریباً حتمی لگتی ہے۔ ماہرینِ عمرانیات نے افراد کے رویّے میں اسی سے ملتا جلتا ظاہرہ دیکھا اور اسے **«بھیڑ چال»** (Herd Behaviour) کا نام دیا۔

یہ قطعی معجزہ کیوں ہے؟

اصل باریکی آخری قید میں ہے: «**اگر وہ گوہ کے بل میں گھسیں تو تم بھی ان کے پیچھے گھسو گے**»۔ حدیث نفع بخش چیز کی نقل کی بات نہیں کر رہی — وہ تو معقول اور قابلِ تعریف ہے — بلکہ **اس چیز کی نقل کی جس میں نہ فائدہ ہے نہ معنی**، بلکہ جس میں کھلا نقصان ہے۔ اور آج ماہرینِ عمرانیات ٹھیک یہی چیز بیان کرتے ہیں: رویّوں کے وہ فیشن جو بغیر کسی معقول سبب کے معاشروں پر چھا جاتے ہیں۔ اور آپ قسم و تاکید کے صیغے **«لَتَتَّبِعُنَّ»** پر بھی غور کیجیے — یہ کسی ممکنہ خطرے سے خبردار کرنا نہیں، وقوع کا جزم ہے۔ اور یہ ایسے ہوا کہ کوئی اس کا انکار نہیں کر سکتا۔

مآخذ Asch (1951) — the conformity experiments · Herd behaviour

قومیں ایک دوسرے کو بلائیں گی... اور سیلاب کا جھاگ

قریب ہے کہ قومیں تم پر ایک دوسرے کو یوں بلائیں جیسے کھانے والے اپنے دسترخوان پر ایک دوسرے کو بلاتے ہیں۔ کہا گیا: کیا اس دن ہم تھوڑے ہوں گے؟ فرمایا: نہیں، بلکہ اس دن تم بہت ہو گے، لیکن تم سیلاب کے جھاگ کی طرح جھاگ ہو گے

ابو داؤد اور احمد نے روایت کیا — البانی نے صحیح کہا

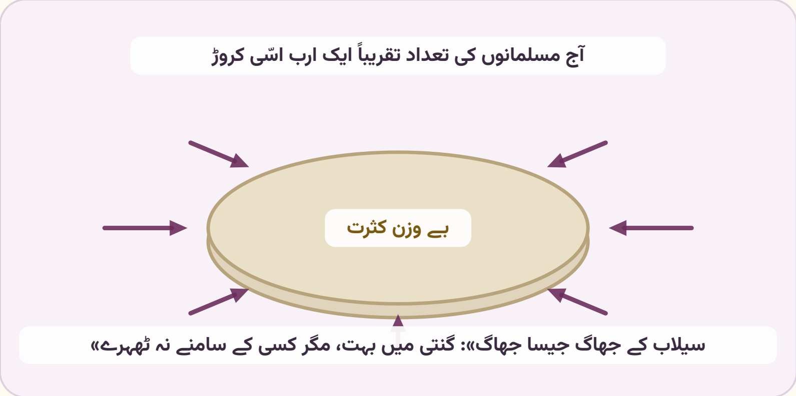

حدیث نے قلتِ تعداد کو سبب ماننے سے انکار کیا — اور اصل سبب بتا دیا

آسان لفظوں میں

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ قومیں مسلمانوں پر یوں ٹوٹ پڑیں گی جیسے کھانے والے دسترخوان پر۔ پوچھا گیا: کیا کمی کے سبب؟ فرمایا: **نہیں، بلکہ تم بہت ہو گے** — مگر بے وزن اور بے اثر۔

اُس وقت لوگ کیا سمجھتے تھے؟

امت اس وقت زمین کی سب سے بڑی طاقت بننے کے راستے پر تھی۔ ایک ہی نسل کے بعد اس نے فارس، شام، مصر اور شمالی افریقہ فتح کر لیے۔ چنانچہ **عددی کثرت** کے ساتھ آنے والی کمزوری کی خبر دینا سامنے کے حالات سے بالکل الٹی بات لگتی تھی۔

آج سائنس کیا کہتی ہے؟

آج مسلمانوں کی تعداد تقریباً **دو ارب** ہے، یعنی پیو ریسرچ سینٹر کے مطابق زمین کی آبادی کا تقریباً **26%**، اور ان کے پاس دنیا کے سب سے بڑے توانائی کے ذخائر اور اہم جغرافیائی مقامات ہیں۔ اس کے باوجود عالمی علمی، صنعتی اور معاشی پیداوار میں ان کا حصہ ان کی تعداد کے مقابلے میں نہایت کم ہے، اور ان کے ملک زمین کے سب سے زیادہ نزاع زدہ اور محتاج خطوں میں ہیں۔ **عددی کثرت موجود ہے، تہذیبی وزن غائب** — یہی وہ مساوات ہے جو حدیث نے بعینہٖ بیان کی۔

یہ قطعی معجزہ کیوں ہے؟

اس حدیث کی سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس نے **غلط توجیہ کو پہلے ہی صریح طور پر رد کر دیا**۔ جب پوچھا گیا: «کیا اس دن ہم تھوڑے ہوں گے؟» تو آپ نے ہاں نہیں کہا — فرمایا: «بلکہ اس دن تم بہت ہو گے»۔ یوں تعداد کو پورے حساب سے نکال باہر کیا اور طے کر دیا کہ **خرابی معیار میں ہے، مقدار میں نہیں**۔ اور «**سیلاب کے جھاگ**» کی تشبیہ نہایت باریک ہے: جھاگ وہ کف اور تنکے ہیں جو سیلاب سطح پر بہا لے جاتا ہے؛ دیکھنے میں بہت، وزن کچھ نہیں، کہیں ٹھہرتے نہیں، اور جدھر ہانکے جائیں ادھر بہہ جاتے ہیں، جدھر خود چاہیں ادھر نہیں۔ پھر حدیث کے آخر میں سبب بھی بتا دیا: «وہن... دنیا کی محبت اور موت کی ناپسندیدگی» — یہ نفسیاتی تشخیص ہے، عسکری نہیں۔

100 «پھر تمہارے رب کو کس نے پیدا کیا؟» — پوچھے جانے سے پہلے بتایا گیا سوال

شیطان تم میں سے کسی کے پاس آ کر کہتا ہے: یہ کس نے پیدا کیا؟ وہ کس نے پیدا کیا؟ یہاں تک کہ کہتا ہے: تمہارے رب کو کس نے پیدا کیا؟ جب یہاں پہنچے تو اللہ کی پناہ مانگے اور رک جائے

بخاری اور مسلم نے روایت کیا — متفق علیہ

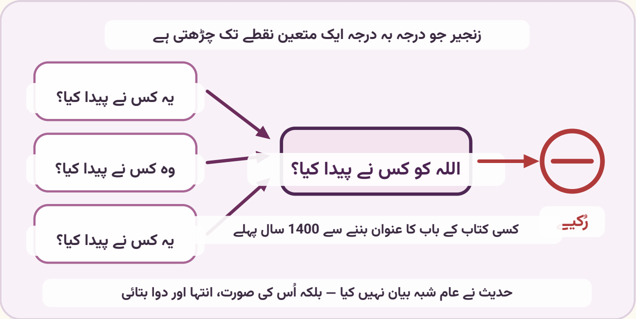

شکل، انجام اور علاج — تینوں ایک ہی جملے میں

آسان لفظوں میں

حدیث ایک عجیب بات بتاتی ہے: ایسا شک جو **یکبارگی نہیں آتا بلکہ ایک زنجیر کی صورت میں**، ہر کڑی اگلی کو جنم دیتی ہے، یہاں تک کہ ایک ہی متعین سوال پر جا رکتی ہے: **«پھر اللہ کو کس نے پیدا کیا؟»** اور پوری جدید الحاد میں یہی سب سے مشہور اعتراض ہے۔

اُس وقت لوگ کیا سمجھتے تھے؟

یہ سوال نبی کریم ﷺ کے ماحول میں زیرِ بحث ہی نہ تھا۔ ان کے مخالف **مشرک** تھے، ملحد نہیں: وہ خالق کو مانتے تھے اور اس کے ساتھ دوسروں کو بھی پوجتے تھے — «اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو ضرور کہیں گے: اللہ نے»۔ جھگڑا اس پر تھا کہ **عبادت کس کی ہو**، اس پر نہیں کہ **کوئی خالق ہے بھی یا نہیں**۔ اور مکہ میں کسی کے بارے میں منقول نہیں کہ اس نے یہ سوال کیا ہو۔ یعنی حدیث ایک ایسے شبہے کا نقشہ کھینچ رہی ہے **جو اس کے اپنے زمانے میں موجود ہی نہ تھا**۔

آج سائنس کیا کہتی ہے؟

یہی سوال **جدید الحادی اعتراض کا سب سے بڑا عنوان** بن گیا۔ **برٹرینڈ رسل** نے 1927 میں اپنے خطبے «میں مسیحی کیوں نہیں ہوں» میں یہ اٹھایا اور اسی کو علتِ اولیٰ کی دلیل چھوڑنے کا سبب بنایا۔ اور **رچرڈ ڈاکنز** نے 2006 میں «وہمِ خدا» کے **چوتھے** باب — «خدا کیوں تقریباً یقینی طور پر نہیں ہے» — کا محور اسی کو بنایا، اپنی مشہور دلیل «**حتمی بوئنگ 747**» میں، جہاں وہ کہتا ہے کہ مصمّم کا مفروضہ فوراً اس سے بڑا مسئلہ کھڑا کر دیتا ہے: «**اور مصمّم کو کس نے بنایا؟**»۔

رہا فلسفے کا جواب، تو وہ بعینہٖ وہی ہے جس کا حکم حدیث نے دیا: **رک جانا**۔ کیونکہ سوال اپنے اندر ایک منطقی خطا لیے ہوئے ہے — یہ فرض کر لیتا ہے کہ خالق مخلوق ہے، پھر اس کے خالق کے بارے میں پوچھتا ہے۔ اور جو زنجیر کبھی ختم نہ ہو وہ کچھ بھی نہیں سمجھاتی: اگر ہر چیز کو علت چاہیے، تو کوئی چیز کبھی وجود میں ہی نہیں آئے گی۔ منطق والے اسے **تسلسلِ باطل** کہتے ہیں۔

یہ قطعی معجزہ کیوں ہے؟

حدیث میں تین چیزیں ایسی ہیں جن تک اندازہ نہیں پہنچ سکتا:

1 — شکل۔ یہ نہیں کہا کہ «لوگ اللہ کے بارے میں شک کریں گے» — یہ تو عام بات ہے جو ہر زمانے میں کہی جا سکتی ہے۔ بلکہ ایک **زنجیر نما سوالیہ ساخت** بیان کی: ایک سوال دوسرے کو کھینچتا ہے، دوسرا تیسرے کو۔

2 — انجام۔ اور جہاں یہ زنجیر جا رکتی ہے، اس آخری منزل کو بعینہٖ اس کے لفظوں میں متعین کر دیا۔ اور واقعی یہی آخری منزل ہے: اس رخ پر «اللہ کو کس نے پیدا کیا؟» کے بعد کوئی سوال باقی نہیں۔

3 — علاج۔ اور بحث کا حکم نہیں دیا، بلکہ زنجیر کاٹ دینے کا — اور یہی وہ منطقی جواب ہے جس تک فلسفہ صدیوں بعد پہنچا: خرابی سوال میں ہے، جواب میں نہیں۔

اور ایک حد کا ذکر ضروری ہے: یہ نفوس کے ایک ظاہرے کی خبر ہے، مادے کی کسی حقیقت کی نہیں؛ سو نہ اسے خوردبین ناپتی ہے نہ ترازو تولتا ہے۔ مگر یہ **پوری طرح قابلِ تکذیب** ہے: اگر یہ سوال اسی صیغے میں اور بحث کے اسی مقام پر ظاہر نہ ہوتا تو خبر باطل ہو جاتی۔ اور یہ ظاہر ہوا، اور صدی کی مشہور ترین الحادی کتاب کی مرکزی دلیل بن گیا۔ **تو انہیں کس نے بتایا؟**

مآخذ Bertrand Russell — *Why I Am Not a Christian*, 1927 · Richard Dawkins — *The God Delusion*, 2006 · Infinite regress — the logical fault in the question